حضرت موسیٰؑ اور قبطی کا قتل

(از ملک غلام علی صاحب)

ایک صاحب نے رسائل و مسائل حصہ اوّل کی ایک عبارت پر بعض علمائے کرام کے اعتراضات نقل کرکے مجھ سے ان کے جواب کی فرمائش کی ہے۔ ذیل میں ان کا خط درج کرکے اس کا جواب عرض کر رہا ہوں:

"مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف بعض علماء آئے دن کوئی نہ کوئی اعتراض پھیلاتے اور تقریروں میں ان کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک اعتراض رسائل و مسائل حصہ اوّل کی ایک عبارت پر ہے جو عصمتِ انبیاء کے زیرِ عنوان درج ہے کہ نبی ہونے سے پہلے حضرت موسیٰؑ سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔ جب فرعون نے اس فعل پر ملامت کی تو انہوں نے بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کیا کہ یہ فعل مجھ سے اس وقت سرزد ہوا تھا جب راہِ ہدایت مجھ پر نہ کھلی تھی۔ معترضین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے جس کو قتل کیا تھا وہ فرعون کی قوم کا ایک کافر حربی فرد تھا جس کا قتل بالکل جائز بلکہ باعثِ ثواب تھا، کیونکہ فرعونی طاقتور اور اسرائیلی کمزور تھا اور اس کی مدد کرنا لازم تھا۔ پھر حضرت موسیٰ کا ارادہ قتل کا نہ تھا، اس لیے یہ فعل گناہ نہ تھا۔ ایک بے گناہ مظلوم کی امداد کوئی گناہ کا کام نہیں۔ ایک صاحب نے اس بات کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا یہ فعل نبی ہونے سے پہلے کا تھا۔ انہوں نے سورہ قصص کے دوسرے رکوع کا حوالہ دیا ہے جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ زور آور ہو گئے اور پختہ عمر کو پہنچ گئے تو اللہ نے ان کو نبوت کا علم

عطا کیا۔ پھر جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو دو آدمیوں کو لڑتا ہوا پایا۔ نبوت کے بعد نبی کے کسی فعل پر گناہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

براہ کرم اس اعتراض کا تسلی بخش جواب دیں اور واضح کریں کہ یہ فعل نبوت سے قبل کا ہے یا بعد کا اور اس کی حقیقت و نوعیت کیا ہے؟ پھر اس مقام پر مولانا نے یہ جو لکھا ہے کہ "نبی کے معصوم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرشتوں کی طرح اس سے بھی خطا کا امکان سلب کر لیا گیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ نبی اوّل تو دانستہ نافرمانی نہیں کرتا اور اگر اس سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتا"۔ اس عبارت پر بھی بعض علماء کرام، بالخصوص دیوبندی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ انبیاءؑ ملائکہ سے ہر لحاظ سے افضل و برتر ہیں اور انبیاء کی عصمت کو فرشتوں کی عصمت سے فروتر یا مختلف قرار دینا توہین انبیاء ہے۔ اِس اعتراض کی حقیقت پر بھی روشنی ڈال دیں تو بہتر ہو گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ہو جانا قرآن مجید میں صاف طور پر مذکور ہے۔ اب اگر اس واقعۂ قتل کی شدّت و اہمیت کم کرنے کے لیے یہ استدلال کیا جائے کہ یہ قتلِ عمد نہ تھا، مقتول ایک کافر و ظالم حربی تھا جس کا خون بہانا کسی صورت میں ممنوع نہ تھا، اس لیے یہ فعل سرے سے گناہ ہی نہ تھا، تو یہ استدلال متعدد وجوہ کی بنا پر محلِ نظر ہے۔

قرآن مجید میں بیان شدہ تفصیل اور اندازِ کلام سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ یہ فعل گناہ نہ تھا بلکہ محض ایک خلافِ اَولیٰ کام تھا۔ قرآنِ مجید میں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس فعل کا گناہ ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں فرمایا گیا ہے کہ جب رب العٰلمین نے حضرت موسیٰؑ کو قومِ فرعون کی طرف مبعوث کرنا چاہا تو انھوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے، اس لیے آپ ہارونؑ کو رسول بنا کر بھیجیں۔ اس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ نے یہ عذر بھی پیش کیا:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ	میرے اوپر اُن کے ہاں ایک گناہ کا الزام ہے، پس

(الشعراء-۱۴) میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت موسٰیؑ کے نزدیک بھی یہ فعل ایسا تھا جو آپ کی تکذیب اور قتل کا باعث بن سکتا تھا اور منجملہ اُن وجوہ کے تھا جن کی بنا پر آپ بارِ نبوت اٹھانے میں متامل تھے۔ اس کے بعد اللہ نے حضرت ہارونؑ کو ان کا وزیر و مددگار بنایا اور دونوں کو فرعون کی طرف بھیجا۔ فرعون نے آپ کی دعوت کو رد کرتے ہوئے ایک تو اپنے احسان جتائے کہ تم نے ہمارے ہاں پرورش پائی اور دوسرا اعتراض یہی کیا کہ تم نے ہمارا آدمی قتل کر کے ناشکری کا ثبوت دیا۔ حضرت موسٰیؑ نے پہلی بات کے جواب میں تو فرمایا کہ کیا تیرا احسان یہی ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟ لیکن دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ اس شخص کا قتل جائز و مباح تھا، اس میں میری کوئی خطا نہیں تھی، بلکہ یہ فرمایا:

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ میں نے وہ کام اُس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ یاب نہ تھا۔

مقتول کے حربی اور مباح الدم ہونے والی بات اگرچہ بعض علماء نے کہی ہے، مگر یہ ایک کمزور قول ہے۔ اوّل تو اُس زمانے میں دارالاسلام اور دارالحرب کا کوئی وجود نہ تھا اور حضرت موسیٰ کسی دارالاسلام سے عارضی طور پر دارالحرب میں نہیں آگئے تھے کہ وہ جسے چاہتے قتل کر دیتے، بلکہ آپ اور آپ کی قوم مصر ہی میں متوطن تھی۔ پھر متعدد تفسیری اقوال بلکہ صحیح و مستند احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے لیے یہ قتل ممنوع تھا۔ حضرت موسیٰ نبوت سے قبل بھی بہر حال حضرت ابراہیمؑ و آلِ ابراہیم کی شریعت کے متبع تھے اور قانونِ ملکی کی پابندی بھی کسی حد تک ناگزیر تھی، اس لیے قتل، خواہ وہ قتلِ خطا ہی کیوں نہ ہو، بہر حال جائز نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا مگر جذبات کے زور اور شدت میں آکر آپ ایسا بھرپور مکا ضرور رسید کر بیٹھے جو جان لیوا ثابت ہوا۔ بعض مفسرین نے لفظ ضالین سے جاہلین، یعنی "غصے اور طیش میں آجانے والے" مراد لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ غیظ و غضب میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے۔

سورۂ قصص میں اس واقعے کی مزید تفصیل مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمی لڑ رہے تھے جن میں سے ایک اسرائیلی اور دوسرا قبطی تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ سے مدد طلب کی۔ آپ نے قبطی کو ایسا مکّا مارا کہ اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ اس کے بعد قرآن مجید میں آتا ہے:

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ (القصص ۱۵-۱۶)	موسیٰ نے کہا کہ یہ تو شیطان کی حرکت ہے، وہ گمراہ کن کھلا دشمن ہے۔ بولے، میرے رب! میں نے ظلم کیا اپنے اوپر پس مجھے بخش دے۔ تب اللہ نے بخش دیا۔ وہی ہے بخشنے والا، رحم کرنے والا۔

اب اگر یہ فعلِ قتل جائز و مباح ہوتا تو اسے عملِ شیطان اور اپنے نفس پر ظلم قرار دینے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس کو بخش دینے کا کیا موقع و محل تھا؟ ظلم و ضلالت کے الفاظ بھی کوئی معمولی الفاظ نہیں ہیں جو کسی معمولی واقعہ کے لیے قرآن میں کبھی استعمال ہوتے ہوں۔

ان آیات کی تفسیر میں ابن جریرؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

اساء موسیٰ حيث اساء وهو شديد الغضب شديد القوة	حضرت موسیٰ سے یہ بُرائی سرزد ہوگئی اور وہ بڑے غصیلے اور زور آور تھے۔

ربّ انی ظلمت نفسی کی تفسیر میں ابن جریرؒ فرماتے ہیں:

ربّ انی ظلمت نفسی بقتل النفس التی لم تامرنی بقتلها فاعف عن ذنبی ذالك واستره علیّ ولاتواخذنی به فتعاقبنی علیه	اے میرے رب میں نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ ایسی جان کو قتل کیا جس کے قتل کا حکم تو نے نہ دیا تھا پس میرا گناہ معاف فرما، میری ستر پوشی کر اور اس پر مواخذہ و عتاب نہ کر۔

اس تاویل کے حق میں ابن جریرؒ نے ابن جُریج کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حکمِ شریعت کے بغیر قتل جائز نہ تھا اور حضرت موسیٰ کے لیے یہ کام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس اسرائیلی کی حمایت میں حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو قتل کیا تھا، وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہ تھا۔ مقاتل کا یہ قول

تفاسیر میں مذکور ہے کہ یہ شخص نسلاً اسرائیلی ہونے کے باوجود کافر تھا۔ علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں سورۂ قصص کے اس مقام پر لکھتے ہیں :

عن مقاتل ان الرجلین کانا کافرین الا ان احدھما من بنی اسرائیل والاٰخر من القبط۔ مقاتل سے مروی ہے کہ دونوں لڑنے والے کافر تھے البتہ ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا قبطی تھا۔

ابن جوزیؒ بھی اپنی تفسیر زاد المسیر میں ان آیات کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو نہیں چاہیے تھا کہ آپ حکمِ الٰہی کے بغیر قتل کرتے (ان یقتل حتی یؤمر)۔ پھر محدث ابن جوزی حضرت ابنِ عباسؓ کا قول درج کرتے ہیں :

الاسرائیلی الذی اعانہ موسیٰ کان کافرًا جس اسرائیلی کی حضرت موسیٰ نے مدد کی تھی وہ کافر تھا۔

اگر اس بات کو درست نہ سمجھا جائے اور اس اسرائیلی کو مسلمان ہی مانا جائے، تب بھی قرآنِ مجید کے بیان سے یہ امر واضح ہے کہ وہ ایک جھگڑالو اور شوریدہ سر قسم کا انسان تھا، کیونکہ یہ دیکھ لینے کے باوجود کہ اس کے پیچھے ایک آدمی قتل ہو چکا ہے وہ دوسرے ہی روز پھر ایک قبطی سے اُلجھ پڑا اور حضرت موسیٰؑ کو دیکھتے ہی پھر انہیں مدد کے لیے پکارنے لگا جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا :

اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ تو یقیناً بہکا ہوا، بھٹکا ہوا آدمی ہے۔

اس شخص نے مزید غضب یہ کیا کہ جب حضرت موسیٰ اس کے قبطی حریف کو پکڑنے لگے تو یہ اسرائیلی سمجھا کہ شاید مجھ پر ہاتھ ڈالنے لگے ہیں اور فوراً بول اٹھا کہ "اے موسیٰ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے، تُو تو زمین میں جبار بننا چاہتا ہے مُصلح بن کر نہیں رہنا چاہتا"۔ گویا کہ اس شخص نے احسان کا بدلہ یہ دیا کہ اپنے محسن کا قاتل ہونا فرعون اور اس کی قوم پر ظاہر کر دیا اور حضرت مُوسیٰ کی گرفتاری اور قتل کا سامان فراہم کر دیا۔ اب یہ بات الگ ہے کہ اللہ کو یہ منظور نہ تھا اور اس نے اپنا ایک دوسرا بندہ بھیج دیا جس نے حضرت موسیٰؑ کو خبردار کر کے نکل جانے کا مشورہ دیا۔

قبطی کے قتل کا غیر مباح ہونا احادیث سے بھی ثابت ہے۔ شفاعت کے متعلق ایک طویل حدیث

مسلم، کتاب الایمان اور بعض دوسری کتابوں میں مروی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز جب لوگ شفاعت کے لیے حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے۔

ان ربی قد غضب الیوم غضباً لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانی قتلت نفساً لم اومر بقتله۔

میرا رب آج ایسا ناراض ہے جیسا وہ نہ کبھی پہلے ناراض ہوا، نہ پھر کبھی ہوگا۔ میں نے ایک جان کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہ تھا۔

اس حدیث کی رُو سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ نبوت سے قبل جس اسرائیلی شریعت کے حضرت موسیٰ پیرو تھے، اس میں بھی اس شخص کا قتل جائز نہ تھا، اس لیے اسے حربی قرار دے کر اس کے قتل کو مباح یا کارِ ثواب سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ واقعۂ قتل حضرت موسیٰ کو نبوت دیئے جانے کے بعد کا ہے۔ سورۂ قصص کا دوسرا رکوع پڑھتے ہوئے بظاہر ایسا شبہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو پہلے حکم و علم عطا ہوا اور بعد میں یہ واقعہ پیش آیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام پر آیات کی ترتیب زمانی نہیں، فقط بیانی ترتیب ہے۔ یا پھر حکم و علم سے مُراد نبوت نہیں، بلکہ وہ قائدانہ صلاحیت و فراست ہے جس سے حضرت موسیٰ نبوت سے قبل ہی نوازے گئے تھے جبکہ آپ فرعون کے ہاں ایک شہزادے کے طور پر پروان چڑھ رہے تھے۔ سورۂ مریم کے شروع میں بھی ایسی مثال موجود ہے کہ پہلے حضرت یحییٰ کو کتاب دینے کا ذکر ہے اور پھر ارشاد ہے کہ ہم نے اسے بچپن ہی میں قوت فیصلہ عطا فرمائی، (وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا)۔

ورنہ یہ بات تو قرآن و حدیث کی متعدد تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کو نبوت مصر سے نکل جانے کے کئی برس بعد طورِ سینا پر عطا ہوئی جبکہ آپ کی شادی بھی ہو چکی تھی اور آپ اپنے گھر والوں کو لے کر مصر واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ سورۂ شعراء ہی میں حضرت مُوسیٰ کا قول موجود ہے کہ انہوں نے فرعون سے کہا کہ جب واقعۂ قتل کے ڈر سے میں تمہارے اندر سے نکل کھڑا ہوا تو اللہ نے مجھے "حکم" عطا کیا اور رسُولوں کے زمرے میں داخل فرمایا (فَفَرَرْتُ مِنْکُمْ لَمَّا خِفْتُکُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ الشعراء ۲۱)

ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کی عصمت پر جو کچھ مولانا مودودی نے اس مقام پر تحریر کیا ہے، وہ اگرچہ مختصر ہے مگر قرآن وحدیث اور علمائے اہلِ سنت کی تصریحات کے عین مطابق ہے۔ میں اس پر مفصل بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مولانا مفتی محمد یوسف صاحب اپنی کتاب "مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ"، حصہ اول (صفحات ۴۴ تا ۹۲) میں اس موضوع پر جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ طالبِ حق اور صاحبِ انصاف کے لیے بالکل کافی ہے۔ تاہم دیوبندی علماء کی خصوصی توجہ کے لیے میں یہاں مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ایک جواب نقل کیے دیتا ہوں جو انہوں نے مولانا عبدالحمید صاحب مدرسہ اشرف العلوم، گنگوہ کے نام ارسال کیا ہے اور مولانا مرحوم کے مکتوبات جلد دوم ص ۲۸۲ ۔ ۲۸۳ پر مطبوعہ موجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرماتے ہیں:

"وہ مثل فرشتوں اور ارواحِ قدسیہ کے اِن احساساتِ بشریہ اور خواہشاتِ نفسانیہ سے منزّہ اور بے لوث نہیں ہوتے . . . . لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خیر اور خشیتِ الٰہیہ کا غلبہ ہوتا ہے، حضورِ دائمی جناب باری عزّوجلّ اسمہٗ کا حاصل رہتا ہے جس کی وجہ سے خیر کی رغبت اور شرور سے نفرت اور دُوری رہتی ہے۔ اگر کبھی بمقتضائے طبیعت یا وساوس شیطانیہ کسی معصیت کی طرف میلان ہوتا ہے تو حفاظتِ خداوندی اور نگہبانیٔ ربانی رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے اور بیچ میں حائل ہو جاتی ہے۔ اسی حیلولہ اور رکاوٹ کا نام عصمت ہے، بخلاف فرشتوں کی معصومیت کے کہ ان کے یہاں ایسی خواہشات کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کا معصوم ہونا ایسا ہی ہے جیسے کہ بچہ اور عنّین میں مادۂ جماع اور رغبت الی النساء کا مادہ ہی نہیں ہے۔ اس لیے ان کو معصوم کہنا حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔"